سُورۃ التکاثر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُۙ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَؕ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَۙ ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَؕ كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِؕ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَۙ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِۙ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ

دُنیا کی حرص وہوا نے تمہیں آخرت کی تلاش سے روک رکھا یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پڑے۔ دُنیا سے دِل مت لگاؤ۔ تم عنقریب جان لوگے کہ دُنیا سے دل لگانا اچھا نہیں۔ پھر مَیں کہتا ہوں کہ عنقریب تم جان لوگے کہ دُنیا سے دل لگانا اچھا نہیں۔ اگر تمہیں یقینی علم حاصل ہو تو تم دوزخ کو اِسی دُنیا میں دیکھ لوگے پھر برزخ کے عالَم میں یقین کی آنکھوں کے ساتھ دیکھوگے۔ پھر عالَمِ حَشرِ اجساد میں پورے مؤاخذہ میں آجاؤگے اور وہ عذاب تم پر کامل طور پر وارد ہوجائے گا اور صرف قال سے نہیں بلکہ حال سے تمہیں دوزخ کا عِلم حاصل ہوجائے گا۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ اسی جہان میں بدکاروں کے لئے جہنّمی زندگی پوشیدہ طور پر ہوتی ہے اور اگر غور کریں تو اپنی دوزخ کو اِسی دُنیا میں دیکھ لیں گے اور اِس جگہ اللہ تعالیٰ نے عِلم کو تین۳ درجوں پر مُنقسم کیا ہے یعنی علم الیقین، عَین الیقین، حق الیقین۔ اور عام کے سمجھنے کے لئے اِن

تینوں علموں کی یہ مثالیں ہیں کہ اگر مثلاً ایک شخص دُور سے کسی جگہ بہت سا دھواں دیکھے اور دھوئیں سے ذہن منتقل ہو کر آگ کی طرف چلا جائے اور آگ کے وجود کو یقین کرے اور اِس خیال سے کہ دھوئیں اور آگ میں ایک تعلق لاینفک اور ملازمتِ تامہ ہے جہاں دھواں ہوگا ضرور ہے کہ آگ بھی ہو۔ پس اس علم کا نام علم الیقین ہے اور پھر جب آگ کے شعلے دیکھ لے تو اس کا نام عین الیقین ہے اور جب اس آگ میں آپ ہی داخل ہو جائے تو اس علم کا نام حق الیقین ہے۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہنم کے وجود کا علم الیقین تو اسی دُنیا میں ہو سکتا ہے۔ پھر عالمِ برزخ میں عین الیقین حاصل ہوگا اور عالمِ حشرِ اجساد میں وہی علم حق الیقین کے کامل مرتبہ تک پہنچے گا۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۸۸)

اے وے لوگو جو خدا سے غافل ہو دُنیا طلبی نے تمہیں غافل کیا یہاں تک کہ تم قبروں میں داخل ہو جاتے ہو اور غفلت سے باز نہیں آتے۔ یہ تمہاری غلطی ہے اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ پھر میں کہتا ہوں کہ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ اگر تمہیں یقینی علم حاصل ہو جائے تو تم علم کے ذریعہ سے سوچ کر کے اپنے جہنم کو دیکھ لو اور تمہیں معلوم ہو جائے کہ تمہاری زندگی جہنمی ہے۔ پھر اگر اس سے بڑھ کر تمہیں معرفت ہو جائے تو تم یقینِ کامل کی آنکھ سے دیکھ لو کہ تمہاری زندگی جہنمی ہے۔ پھر وہ وقت بھی آتا ہے کہ تم جہنم میں ڈالے جاؤ گے اور ہر ایک عیاشی اور بے اعتدالی سے پوچھے جاؤ گے یعنی عذاب میں ماخوذ ہو کر حق الیقین تک پہنچ جاؤ گے۔

اِن آیات میں اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یقین تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ محض علم اور قیاس سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ کوئی دُور سے دھواں دیکھے اور قیاس اور عقل کو دخل دے کر سمجھ لے کہ اِس جگہ ضرور آگ ہوگی اور پھر دوسری قِسم یقین کی یہ ہے کہ اس آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ پھر تیسری قِسم یقین کی یہ ہے کہ مثلاً اس آگ میں ہاتھ ڈال دے اور اس کی قوتِ احتراق سے مزہ چکھ لے پس یہ تین قسمیں ہوئیں علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین۔ اِس آیت میں خدا تعالیٰ نے سمجھایا کہ تمام راحت انسان کی خدا تعالیٰ کے قُرب اور محبت میں ہے اور جب اس سے علاقہ توڑ کر دُنیا کی طرف جھکے تو یہ جہنمی زندگی ہے اور اس جہنمی زندگی پر آخرکار ہر یک شخص اطلاع پالیتا ہے اور اگرچہ اسی وقت اطلاع پاوے جب کہ یک دفعہ مال و متاع اور دُنیا کے تعلقات کو چھوڑ کر مرنے لگے۔ (لیکچر لاہور صفحہ ۱۱، ۱۲)

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ۔ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کہ اے لوگو جو تم خدا تعالیٰ سے غافل ہو دُنیا طلبی نے تم کو غافل کر دیا ہے یہاں تک کہ قبروں میں داخل ہو جاتے ہو مگر غفلت سے باز نہیں آتے كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مگر اِس غلطی کا تم کو عنقریب علم ہو جائے گا ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ پھر تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ عنقریب تم کو علم ہو جاوے گا کہ جن خواہشات کے پیچھے تم پڑے ہو وہ ہرگز تمہارے کام نہ آویں گی اور حسرت کا موجب ہوں گی

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ اگر تم کو یقینی علم حاصل ہو جاوے تو تم علم کے ذریعہ سے سوچ کر اپنے جہنم کو دیکھ لو اور تم کو پتہ لگ جاوے کہ تمہاری زندگی جہنمی زندگی ہے اور جن خیالات میں تم رات دن لگے ہوئے ہو وہ بالکل ناکارہ ہیں۔

(البدر جلد ۴ ۳ مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف نے علم تین قسم پر قرار دیا ہے۔ علم الیقینؔ، عین الیقینؔ، حق الیقینؔ جیسا کہ ہم پہلے اس سے سورۃ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ کی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں اور بیان کر چکے ہیں کہ علم الیقین وہ ہے کہ شئے مقصود کا کسی واسطہ کے ذریعہ سے نہ بلا واسطہ پتہ لگایا جاوے جیسا کہ ہم دھوئیں سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں پر آگ کو دیکھا نہیں مگر دھوئیں کو دیکھا ہے کہ جس سے ہمیں آگ کے وجود پر یقین آیا سو یہ علم الیقین ہے۔ اور اگر ہم نے آگ کو ہی دیکھ لیا ہے تو یہ بموجب بیان قرآن شریف یعنی سورہ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ کے علم کے مراتب میں عین الیقین کے نام سے موسوم ہے اور اگر ہم اس آگ میں داخل بھی ہو گئے ہیں تو اس علم کے مرتبہ کا نام قرآن شریف کے بیان کی رُو سے حق الیقین ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۱۱۷)

ایمان اس اقرارِ لسانی و تصدیقِ قلبی سے مراد ہے جو تبلیغ و پیغام کسی نبی کی نسبت محض تقویٰ اور دُور اندیشی کے لحاظ سے صرف نیک ظنّی کی بنیاد پر یعنی بعض وجوہ کو معتبر سمجھ کر اور اُس طرف غلبہ اور رجحان پاکر بغیر انتظارِ کامل اور قطعی اور واشگاف ثبوت کے دلی انشراح سے قبولیت و تسلیم ظاہر کی جائے لیکن جب ایک خبر کی صحت پر وجوہِ کاملہ قیاسیہ اور دلائل کافیہ عقلیہ مل جائیں تو اس بات کا نام ایقان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں علم الیقین بھی کہتے ہیں اور جب خدائے تعالیٰ خود اپنے خاص جذبہ اور موہبت سے خارق عادت کے طور پر انوارِ ہدایت کھولے اور اپنے آلاء و نعماء سے آشنا کرے اور لدنّی طور پر عقل اور علم عطا فرماوے اور ساتھ اس کے ابوابِ کشف اور الہام بھی منکشف کر کے عجائباتِ الوہیت کا سیر کرا دے اور اپنے محبوبانہ حُسن و جمال پر اطلاع بخشے تو اس مرتبہ کا نام عرفان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں عین الیقین اور ہدایت اور بصیرت سے بھی موسوم کیا گیا ہے اور جب ان تمام مراتب کی شدّتِ اثر سے عارف کے دل میں ایک ایسی کیفیت حالی عشق اور محبت کے باذنہٖ تعالیٰ پیدا ہو جائے کہ تمام وجود عارف کا اس کی لذّت سے بھر جائے اور آسمانی انوار اُس کے دل پر بکلّی احاطہ کر کے ہر یک ظلمت و قبض و تنگی کو درمیان سے اُٹھا دیں یہانتک کہ بوجہ کمال رابطۂ عشق و محبت و بباعث انتہائی جوشِ صدق و صفا کی بلا اور مصیبت بھی محسوس اللذّت و مدرک الحلاوت ہو تو اس درجہ کا نام اطمینان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں حق الیقین اور فلاح اور نجات سے بھی تعبیر کرتے ہیں مگر یہ سب مراتب ایمانی مرتبہ کے بعد ملتے ہیں۔ جو شخص اپنے ایمان میں قوی ہوتا

ہے وہ رفتہ رفتہ اِن سب مراتب کو پا لیتا ہے لیکن جو شخص ایمانی طریق کو اختیار نہیں کرتا اور ہر یک صداقت کے قبول کرنے سے اوّل قطعی اور یقینی اور نہایت واشگاف ثبوت مانگتا ہے اُس کی طبیعت کو اس راہ سے کچھ مناسبت نہیں اور وہ اِس لائق ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اُس قادر غنی بے نیاز کے فیوض حاصل کرے۔

(سُرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۵-۳۱)

عِلم تین قسم پر ہوتا ہے (۱) ایک علم الیقین جیسا کہ کوئی دُور سے دھواں دیکھ کر یہ قیاس کرے کہ اِس جگہ ضرور آگ ہوگی (۲) دوسرا عین الیقین جیسا کوئی اُس آگ کو اپنی آنکھ سے دیکھ لے (۳) تیسرا حق الیقین جیسا کہ کوئی اُس آگ میں ہاتھ ڈال کر اس کی گرمی محسوس کرے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸ حاشیہ)

آسمانی نشانوں سے حصّہ لینے والے تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں اوّل وہ جو کوئی ہُنر اپنے اندر نہیں رکھتے اور کوئی تعلق خدا تعالیٰ سے اُن کا نہیں ہوتا صرف دماغی مناسبت کی وجہ سے اُن کو بعض سچّی خوابیں آجاتی ہیں اور سچے کشف ظاہر ہو جاتے ہیں جن میں کوئی مقبولیت اور محبوبیت کے آثار ظاہر نہیں ہوتے اور اُن سے کوئی فائدہ ان کی ذات کو نہیں ہوتا اور ہزاروں شریر اور بدچلن اور فاسق و فاجر ایسی بدبُودار خوابوں اور الہاموں میں ان کے شریک ہوتے ہیں اور اکثر دیکھا جاتا ہے کہ باوجود ان خوابوں اور کشفوں کے ان کا چال چلن قابل تعریف نہیں ہوتا۔ کم سے کم یہ کہ ان کی ایمانی حالت نہایت کمزور ہوتی ہے اِس قدر کہ ایک سچّی گواہی بھی نہیں دے سکتے اور جس قدر دُنیا سے ڈرتے ہیں خدا سے نہیں ڈرتے اور شریر آدمیوں سے قطع تعلق نہیں کر سکتے اور کوئی ایسی سچّی گواہی نہیں دے سکتے جس سے بڑے آدمی کے ناراض ہو جانے کا اندیشہ ہو اور دینی امور میں نہایت درجہ کسل اور سُستی ان میں پائی جاتی ہے اور دُنیا کے ہموم و غموم میں دن رات غرق رہتے ہیں اور دانستہ جُھوٹ کی حمایت کرتے ہیں اور سچ کو چھوڑتے ہیں اور ہر ایک قدم میں خیانت پائی جاتی ہے اور بعض میں اِس سے بڑھ کر یہ عادت بھی پائی گئی ہے کہ وہ فسق و فجور سے بھی پرہیز نہیں کرتے اور دُنیا کمانے کے لئے ہر ایک ناجائز کام کر لیتے ہیں اور بعض کی اَخلاقی حالت بھی نہایت خراب ہوتی ہے اور حسد اور بُخل اور عُجب اور تکبّر اور غرور کے مبتلے ہوتے ہیں اور ہر ایک کمینگی کے کام اُن سے صادر ہوتے ہیں اور طرح طرح کی قابلِ شرم خباثتیں اُن میں پائی جاتی ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ بعض ان میں ایسے ہیں کہ ہمیشہ بدخوابیں ہی ان کو آتی ہیں اور وہ سچی بھی ہو جاتی ہیں۔ گویا ان کے دماغ کی بناوٹ صرف بُد اور منحوس خوابوں کے لئے مخلوق ہے نہ اپنے لئے کوئی بہتری کے خواب دیکھ سکتے ہیں جس سے اُن کی دُنیا درست ہو اور اُن کی مرادیں حاصل ہوں اور نہ اَوروں کے لئے کوئی بشارت کی خواب دیکھتے ہیں۔ ان لوگوں کے خوابوں کی حالت اقسامِ ثلاثہ میں سے اُس جسمانی نظارہ سے مشابہ ہے جب کہ ایک شخص دُور سے صرف ایک دھواں آگ کا

دیکھتا ہے مگر آگ کی روشنی نہیں دیکھتا اور نہ آگ کی گرمی محسوس کرتا ہے کیونکہ یہ لوگ خدا سے بالکل بے تعلق ہیں اور رُوحانی امور سے صرف ایک دعوےٰ اُن کی قسمت میں ہے جس سے کوئی روشنی حاصل نہیں ہوتی۔

پھر دوسری قسم کے خواب بین یا مُلہم وہ لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ سے کسی قدر تعلق ہے مگر کامل تعلق نہیں اُن لوگوں کی خوابوں یا الہاموں کی حالت اُس جسمانی نظارہ سے مشابہ ہے جب کہ ایک شخص اندھیری رات اور شدیدُالبرد رات میں دُور سے ایک آگ کی روشنی دیکھتا ہے۔ اس دیکھنے سے اتنا فائدہ تو اُسے حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ ایسی راہ پر چلنے سے پرہیز کرتا ہے جس میں بہت سے گڑھے اور کانٹے اور پتھر اور سانپ اور درندے ہیں مگر اس قدر روشنی اس کو سردی اور ہلاکت سے بچا نہیں سکتی۔ پس اگر وہ آگ کے گرم حلقہ تک پہنچ نہ سکے تو وہ بھی ایسا ہی ہلاک ہوجاتا ہے جیسا کہ اندھیرے میں چلنے والا ہلاک ہوجاتا ہے۔

پھر تیسری قسم کے مُلہم اور خواب بین وہ لوگ ہیں جن کے خوابوں اور الہاموں کی حالت اُس جسمانی نظارہ سے مشابہ ہے جب کہ ایک شخص اندھیری اور شدیدُالبرد رات میں نہ صرف آگ کی کامل روشنی ہی پاتا ہے اور اُس میں چلتا ہے بلکہ اس کے گرم حلقہ میں داخل ہوکر بکلّی سردی کے ضرر سے محفوظ ہوجاتا ہے اس مرتبہ تک وہ لوگ پہنچتے ہیں جو شہواتِ نفسانیہ کا چولہ آتشِ محبّتِ الٰہی میں جلا دیتے ہیں اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں جو آگے موت ہے اور دوڑ کر اُس موت کو اپنے لئے پسند کر لیتے ہیں وہ ہر ایک درد کو خدا کی راہ میں قبول کرتے ہیں اور خدا کے لئے اپنے نفس کے ہوکر اور اُس کے برخلاف قدم رکھ کر ایسی طاقتِ ایمانی دکھلاتے ہیں کہ فرشتے بھی اُن کے اس ایمان سے حیرت اور تعجب میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ روحانی پہلوان ہوتے ہیں اور شیطان کے تمام حملے اُن کی روحانی قوت کے آگے ہیچ ٹھہرتے ہیں۔ وہ سچے وفادار اور صادق مرد ہوتے ہیں کہ نہ دُنیا کے لذّات کے نظارے انہیں گمراہ کرسکتے ہیں اور نہ اولاد کی محبّت اور نہ بیوی کا تعلق اُن کو اپنے محبوبِ حقیقی سے برگشتہ کرسکتا ہے۔ غرض کوئی تلخی اُن کو ڈرا نہیں سکتی اور کوئی نفسانی لذّت اُن کو خدا سے روک نہیں سکتی اور کوئی تعلق خدا کے تعلق میں رخنہ انداز نہیں ہوسکتا۔

یہ تین روحانی مراتب کی حالتیں ہیں جن میں سے پہلی حالت علم الیقین کے نام سے موسوم ہے اور دوسری عین الیقین کے نام سے نامزد ہے اور تیسری مبارک اور کامل حالت حق الیقین کہلاتی ہے اور انسانی معرفت کامل نہیں ہوسکتی اور نہ کدورتوں سے پاک ہوسکتی ہے جب تک حق الیقین تک نہیں پہنچتی کیونکہ حق الیقین کی حالت صرف مشاہدات پر موقوف نہیں بلکہ یہ بطور حال کے انسان کے دل پر وارد ہوتی ہے اور انسان محبّتِ الٰہی کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑ کر اپنے نفسانی وجود سے بالکل نیست ہوجاتا ہے اور اس مرتبہ پر انسانی معرفت پہنچ کر قال سے حال کی طرف اِنتقال کرتی ہے اور سفلی زندگی بالکل جل کر خاک ہوجاتی ہے اور ایسا انسان

خدا تعالیٰ کی گود میں بیٹھ جاتا ہے اور جیسا کہ ایک لوہا آگ میں پڑ کر بالکل آگ کی رنگ میں آجاتا ہے اور آگ کی صفات اُس سے ظاہر ہونی شروع ہو جاتی ہیں ایسا ہی اس درجہ کا آدمی صفاتِ الٰہیہ سے ظلّی طور پر متصف ہو جاتا ہے اور اس قدر طبعاً مرضاتِ الٰہیہ میں فنا ہو جاتا ہے کہ خدا میں ہو کر بولتا ہے اور خدا میں ہو کر دیکھتا ہے اور خدا میں ہو کر سُنتا ہے اور خدا میں ہو کر چلتا ہے گویا اُس کے جبّہ میں خدا ہی ہوتا ہے اور انسانیّت اس کی تجلیاتِ الٰہیہ کے نیچے مغلوب ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ مضمون نازک ہے اور عام فہم نہیں اِس لئے ہم اس کو اِسی جگہ چھوڑتے ہیں۔

اور ایک دوسرے پیرایہ میں ہم اس مرتبہ ثالثہ کی جو اعلیٰ اور اکمل مرتبہ ہے اس طرح پر تصویر کھینچتے ہیں کہ وہ وحیٔ کامل جو اقسامِ ثلاثہ میں سے تیسری قسم کی وحی ہے جو کامل فرد پر نازل ہوتی ہے اُس کی یہ مثال ہے کہ جیسے سورج کی دھوپ اور شعاع ایک مصفّا آئینہ پر پڑتی ہے جو عین اس کے مقابل پر پڑا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ اگرچہ سورج کی دھوپ ایک ہی چیز ہے لیکن بوجہ اختلافِ مظاہر کے اس کے ظہور کی کیفیت میں فرق پیدا ہو جاتا ہے پس جب سورج کی شعاع زمین کے کسی کثیف حصّہ میں پڑتی ہے جس کی سطح پر ایک شفاف اور مصفّا پانی موجود نہیں بلکہ سیاہ اور تاریک خاک ہے اور سطح بھی مستوی نہیں تب شعاع نہایت کمزور ہوتی ہے خاص کر اس حالت میں جبکہ سورج اور زمین میں کوئی بادل بھی حائل ہو لیکن جب وہی شعاع جس کے آگے کوئی بادل حائل نہیں ایک شفاف پانی پر پڑتی ہے جو ایک مصفّا آئینہ کی طرح چمکتا ہے تب وہی شعاع ایک سے وہ چند ہو کر ظاہر ہوتی ہے جسے آنکھ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ پس اسی طرح جب نفسِ تزکیہ یافتہ پر جو تمام کدورتوں سے پاک ہوتا ہے وحی نازل ہوتی ہے تو اس کا نور فوق العادت نمایاں ہوتا ہے اور اس نفس پر صفاتِ الٰہیہ کا اِنعکاس پورے طور پر ہو جاتا ہے اور پورے طور پر چہرۂ حضرت احدیت ظاہر ہوتا ہے۔ اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ جیسے آفتاب جب نکلتا ہے تو ہر ایک پاک ناپاک جگہ پر اس کی روشنی پڑتی ہے یہاں تک کہ ایک پاخانہ کی جگہ بھی جو نجاست سے پُر ہے اُس سے حصّہ لیتی ہے تاہم پُورا فیض اُس روشنی کا اُس آئینۂ صافی یا آبِ صافی کو حاصل ہوتا ہے جو اپنی کمال صفائی سے خود سورج کی تصویر کو اپنے اندر دکھلا سکتا ہے۔ اِسی طرح بوجہ اس کے کہ خدا تعالیٰ بخیل نہیں ہے اس کی روشنی سے ہر ایک فیض یاب ہے مگر تاہم وہ لوگ جو اپنی نفسانی حیات سے مر کر خدا تعالیٰ کی ذات کا مظہرِ اتم ہو جاتے ہیں اور ظلّی طور پر خدا تعالیٰ ان کے اندر داخل ہو جاتا ہے اُن کی حالت سب سے الگ ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ اگرچہ سورج آسمان پر ہے لیکن تاہم جب وہ ایک نہایت شفاف پانی یا مصفّا آئینہ کے مقابل پر پڑتا ہے تو یُوں دکھائی دیتا ہے کہ وہ اس پانی یا آئینہ کے اندر ہے لیکن دراصل وہ اُس پانی یا آئینہ کے اندر نہیں ہے بلکہ پانی یا آئینہ

نے اپنی کمال صفائی اور آب وتاب کی وجہ سے لوگوں کو یہ دکھلا دیا ہے کہ گویا وہ پانی یا آئینہ کے اندر ہے۔

غرض وحیٔ الٰہی کے انوار اکمل اور اتم طور پر وہی نفس قبول کرتا ہے جو اکمل اور اتم طور پر تزکیہ حاصل کر لیتا ہے اور صرف الہام اور خواب کا پانا کسی خوبی اور کمال پر دلالت نہیں کرتا جب تک کسی نفس کو بوجہ تزکیہ تام کے یہ انعکاسی حالت نصیب نہ ہو اور محبوبِ حقیقی کا چہرہ اس کے نفس میں نمودار نہ ہو جائے کیونکہ جس طرح فیض عام حضرت احدیت نے ہر ایک کو بجز شاذونادر لوگوں کے جسمانی صورت میں آنکھ اور ناک اور کان اور قوتِ شامہ اور دوسری تمام قوتیں عطا فرمائی ہیں اور کسی قوم سے بُخل نہیں کیا اِسی طرح رُوحانی طور پر بھی اُسنے کسی زمانہ اور کسی قوم کے لوگوں کو رُوحانی قویٰ کی تخم ریزی سے محروم نہیں رکھا اور جس طرح تم دیکھتے ہو کہ سورج کی روشنی ہر ایک جگہ پڑتی ہے اور کوئی لطیف یا کثیف جگہ اس سے باہر نہیں ہے یہی قانونِ قدرت روحانی آفتاب کی روشنی کے متعلق ہے کہ نہ کثیف جگہ اُس روشنی سے محروم رہ سکتی ہے اور نہ لطیف جگہ ہاں مصفّٰی اور شفاف دلوں پر وہ نور عاشق ہے جب وہ آفتابِ روحانی مصفّٰی چیزوں پر اپنا نور ڈالتا ہے تو اپنا کُل نور ان میں ظاہر کر دیتا ہے یہاں تک کہ اپنے چہرہ کی تصویر اُن میں کھینچ دیتا ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ایک مصفا پانی یا مصفا آئینہ کے مقابل پر جب سورج آتا ہے تو اپنی تمام صورت اُس میں ظاہر کر دیتا ہے یہاں تک کہ جیسا کہ آسمان پر سورج نظر آتا ہے ویسا ہی بغیر کسی فرق کے اس مصفا پانی یا آئینہ میں نظر آتا ہے۔

پس روحانی طور پر انسان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں کہ وہ اس قدر صفائی حاصل کرے کہ خدا تعالیٰ کی تصویر اُس میں کھینچی جائے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً[1] یعنی میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ یہ ظاہر ہے کہ تصویر ایک چیز کی اصل صورت کی خلیفہ ہوتی ہے یعنی جانشین۔ اور یہی وجہ ہے کہ جس جس موقع پر اصل صورت میں اعضاء واقع ہوتے ہیں اور خط وخال ہوتے ہیں اسی اسی موقع پر تصویر میں بھی ہوتے ہیں اور حدیث شریف اور نیز توریت میں بھی ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا۔ پس صورت سے مراد یہی روحانی تشابہ ہے اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب مثلاً ایک نہایت صاف آئینہ پر آفتاب کی روشنی پڑتی ہے تو صرف اسی قدر نہیں ہوتا کہ آفتاب اس کے اندر دکھائی دیتا ہے بلکہ وہ شیشہ آفتاب کی صفات بھی ظاہر کرتا ہے اور وہ یہ کہ اسکی روشنی انعکاسی طور پر دوسرے پر بھی پڑ جاتی ہے۔ پس یہی حال روحانی آفتاب کی تصویر کا ہوتا ہے کہ جب

---

[1] سورۃ البقرۃ : ۳۱

ایک قلبِ صافی اُس سے ایک اِنعکاسی شکل قبول کر لیتا ہے تو آفتاب کی طرح اُس میں سے بھی شعاعیں نکل کر دوسری چیزوں کو منوّر کرتی ہیں گویا تمام آفتاب اپنی پوری شوکت کے ساتھ اُس میں داخل ہو جاتا ہے۔

اور پھر اِس جگہ ایک اَور نکتہ قابلِ یادداشت ہے اور وہ یہ کہ تیسری قسم کے لوگ بھی جن کا خدا تعالیٰ سے کامل تعلق ہوتا ہے اور کامل اور مصفّا الہام پاتے ہیں قبولِ فیوضِ الٰہیہ میں برابر نہیں ہوتے اور اُن سب کا دائرۂ استعدادِ فطرت باہم برابر نہیں ہوتا بلکہ کسی کا دائرہ استعدادِ فطرت کم درجہ پر وسعت رکھتا ہے اور کسی کا زیادہ وسیع ہوتا ہے اور کسی کا بہت زیادہ اور کسی کا اس قدر جو خیال وگمان سے برتر ہے اور کسی کا خدا تعالیٰ سے رابطۂ محبت قوی ہوتا ہے اور کسی کا اقویٰ۔ اور کسی کا اِس قدر کہ دُنیا اس کو شناخت نہیں کر سکتی اور کوئی عقل اُس کے انتہاء تک نہیں پہنچ سکتی اور وہ اپنے محبوبِ ازلی کی محبت میں اِس قدر محو ہوتے ہیں کہ کوئی رگ و ریشہ اُن کی ہستی اور وجود کا باقی نہیں رہتا اور یہ تمام مراتب کے لوگ بموجب آیت كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ[1] اپنے دائرۂ استعدادِ فطرت سے زیادہ ترقی نہیں کر سکتے اور کوئی ان میں سے اپنے دائرۂ فطرت سے بڑھ کر کوئی نور حاصل نہیں کر سکتا اور نہ کوئی روحانی تصویرِ آفتابِ نورانی کی اپنی فطرت کے دائرہ سے بڑھ کر اپنے اندر لے سکتا ہے اور خدا تعالیٰ ہر ایک کی استعدادِ فطرت کے موافق اپنا چہرہ اس کو دکھا دیتا ہے اور فطرتوں کی کمی بیشی کی وجہ سے وہ چہرہ کہیں چھوٹا ہو جاتا ہے اور کہیں بڑا۔ جیسے مثلاً ایک بڑا چہرہ ایک آرسی کے شیشہ میں نہایت چھوٹا معلوم ہوتا ہے مگر وہی چہرہ ایک بڑے شیشہ میں بڑا دکھائی دیتا ہے مگر شیشہ خواہ چھوٹا ہو خواہ بڑا چہرہ کے تمام اعضاء اور نقوش دکھا دیتا ہے صرف فرق یہ ہے کہ چھوٹا شیشہ پورا مقدار چہرہ کا دکھلا نہیں سکتا۔ سو جس طرح چھوٹے اور بڑے شیشہ میں یہ کمی بیشی پائی جاتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کی ذات اگرچہ قدیم اور غیر متبدل ہے مگر انسانی استعداد کے لحاظ سے اس میں تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اور اس قدر فرق نمودار ہو جاتے ہیں کہ گویا اظہارِ صفات کے لحاظ سے جو زید کا خدا ہے اُس سے بڑھ کر وہ خدا ہے جو بکر کا خدا ہے اور اس سے بڑھ کر وہ جو خالد کا خدا ہے۔ مگر خدا تین نہیں خدا ایک ہی ہے صرف تجلیاتِ مختلفہ کی وجہ سے اس کی شانیں مختلف طور پر ظاہر ہوتی ہیں جیسا کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا ایک ہی ہے تین خدا نہیں ہیں مگر مختلف تجلیات کی رُو سے اُسی ایک خدا میں تین شانیں ظاہر ہو گئیں۔ چونکہ موسیٰ کی ہمت صرف بنی اسرائیل اور فرعون تک ہی محدود تھی اِس لئے موسیٰ پر تجلّیٔ قدرتِ الٰہی اُسی حد تک محدود رہی اور اگر موسیٰ کی نظر اُس زمانہ اور آئندہ زمانوں کے تمام بنی آدم پر ہوتی تو توریت کی تعلیم بھی ایسی محدود اور ناقص نہ ہوتی جو اَب ہے۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰-۲۷)

---

[1] سورۃ یٰسٓ : ۴۱

خدا نے پہلے سے ارادہ کر رکھا ہے کہ جو متقی ہے اور خدا کی منشاء کے مطابق ہے تو وہ ان مراتب کو حاصل کر سکے جو انبیاء اور اصفیاء کو حاصل ہوتے ہیں۔اِس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ انسان کو بہت سے قوای ملے ہیں جنہوں نے نشوونما پانا ہے اور بہت ترقی کرنا ہے۔ہاں ایک بکرا چونکہ انسان نہیں اُس کے قوای ترقی نہیں کر سکتے۔عالی ہمت انسان جب رسولوں اور انبیاء کے حالات سُنتا ہے تو چاہتا ہے کہ وہ انعامات جو اس پاک جماعت کو حاصل ہیں اُس پر نہ صرف ایمان ہی ہو بلکہ اُسے بتدریج اُن نعماء کا علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین ہو جاوے۔

عِلم کے تین مدارج ہیں علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین۔مثلاً ایک جگہ دھوآں نکلتا دیکھ کر آگ کا یقین کر لینا علم الیقین ہے لیکن خود آنکھ سے آگ کا دیکھنا عین الیقین ہے۔ان سے بڑھ کر درجہ حق الیقین کا ہے یعنی آگ میں ہاتھ ڈال کر جلن اور حرقت سے یقین کر لینا کہ آگ موجود ہے۔پس کیسا وہ شخص بدقسمت ہے جس کو تینوں میں سے کوئی درجہ حاصل نہیں۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۳۸)

وہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں جو ایک ہی دن میں حق الیقین کے درجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں۔یاد رکھو کہ ایک ظنّ ہوتا ہے اور ایک یقین۔ظنّ صرف خیالی بات ہوتی ہے اور اس کی صحت اور سچّائی پر کوئی حُکم نہیں ہوتا بلکہ اس میں احتمال کذب کا ہوتا ہے لیکن یقین میں ایک سچّائی کی روشنی ہوتی ہے۔یہ سچ ہے کہ یقین کے بھی مدارج ہیں۔ایک علم الیقین ہوتا ہے پھر عین الیقین اور تیسرا حق الیقین۔جیسے دُور سے کوئی آدمی دھوآں دیکھتا ہے تو وہ آگ کا یقین کرتا ہے اور یہ علم الیقین ہے اور جب جا کر دیکھتا ہے تو وہ عین الیقین ہے اور جب ہاتھ ڈال کر دیکھتا ہے کہ وہ جلاتی ہے تو وہ حق الیقین ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲)

وہ علم جو کہ نبیوں سے ملتا ہے اس کی تین اقسام ہیں:-

عِلم الیقین، عین الیقین، حق الیقین

اِس کی مثال یہ ہے جیسے ایک شخص دُور سے دھوآں دیکھے تو اسے علم ہو گا کہ وہاں آگ ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جہاں آگ ہوتی ہے وہاں دھوآں بھی ہوتا ہے اور ہر ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہے۔یہ بھی ایک قسم کا علم ہے جس کا نام علم الیقین ہے مگر اَور نزدیک جا کر وہ اس آگ کو آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے تو اُسے عین الیقین کہتے ہیں۔پھر اگر اپنا ہاتھ اس آگ پر رکھ کر اس کی حرارت وغیرہ کو بھی دیکھ لیوے تو اُسے کوئی شُبہ اس کے بارے میں نہ رہے گا اور اس طرح سے جو علم اسے حاصل ہو گا اس کا نام حق الیقین ہو گا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳۷)